جناب لفٹیننٹ کرنل ریٹائرڈ محمد اعظم صاحب

تعلیم اور قومی زُبان

انگریزی بین الاقوامی رابطے کی زبان ہے اور اسکی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دنیائے ائنس اور علم وادب کے اس قدر وسیع ذخائر انگریزی زبان میں موجود ہیں کہ ان سے استفادہ کئے ر بعض شعبوں میں ترقی ممکن نہیں۔ انگریزی دنیا کے ہر حصے میں پڑھی، لکھی اور سمجھی جاتی ہے رہمیں بھی اسے حصول علم کے لئے پڑھنا چاہیئے مگر بد قسمتی سے انگریزی ہمارے ہاں علمی زبان کی ائے Status Symbol یا مرتبے کی علامت کا درجہ اختیار کر گئی ہے۔ انگریز زدگی نے ہمارے دا شرے میں آزادی سے پہلے اس قدر وسعت اختیار نہیں کی تھی جتنی آزادی کے بعد کے سالوں ں کی اس کا اندازہ ملک میں کھمبیوں کی طرح اگ آنے والے ان انگریزی سکولوں کی تعداد سے کیا اسکتا ہے جن کا دائرہ چھوٹے چھوٹے قصبوں تک پھیلتا چلا جارہا ہے۔ ہر سکول کا اپنا اپنا سلیبس اور نی اپنی کتابیں ہیں۔ قومی سطح پر کوئی مربوط تعلیمی پالیسی نہیں۔ کوئی پاکستانی بچوں کو سنیئر کیمرج کے لئے تیار کر رہا ہے تو کوئی اور "او" لیول کے لئے۔ ایسی ایسی کتابیں ان بچوں کو پڑھائی جارہی ہیں جن کا ـلکے ماحول، ان کے معاشرے ان کی مذہبی اقدار سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ بعض اوقات یہ سوچ یشان کر دیتی ہے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں لگتا ہے ہمارا طریقہ تعلیم قوم کو انگلش میڈیم اور اردو یڈیم طبقوں میں تقسیم کر رہا ہے۔ انگریزی پڑھ کر حکومت کرنے والا ایک طبقہ اور انگریزی نہ پڑھ محکوم رہنے والا دوسرا طبقہ۔ ہم جس دین حق کے پیروکار ہیں اس میں تو ایسی کسی تقسیم کا تصور وجود نہیں۔ بندہ اور بندہ نواز میں کوئی فرق نہیں۔ کوئی ایک فرد دوسرے سے افضل نہیں سوائے ں کے جو متقی ہے۔

ہندوستان میں اگر انگریزی نے قومی رابطے کی زبان کا درجہ اختیار کیا ہوا ہے تو اس کی کئی وہ ہیں۔ ہندوستان میں درجنوں قومیں بستی ہیں جو بیسیوں زبانیں بولتی ہیں ان کے رنگ، نسل خوراک، زبان، بودوباش اور رسوم ورواج میں کوئی ہم آہنگی نہیں۔ وہ سب ایک دوسرے سے

مختلف ہیں۔ان کے نسلی اور لسانی تضادات کی خلیج اس قدر وسیع ہے کہ زبان کا مسئلہ حل کرنے کیلئے ان کے پاس سوائے انگریزی کے اور کوئی غیر متنازعہ ذریعہ موجود نہیں۔ہماری اردو یا تقسیم ہند سے پہلے کی ہندوستانی جو کسی حد تک آجکل ان کی فلموں کی زبان ہے بڑی آسانی سے ہندوستان کی قومی زبان کا درجہ اختیار کر سکتی تھی۔ مگر ہندوانہ تعصب کو یہ گوارا نہ تھا۔انہوں نے ملک کی مروجہ زبان میں متروک سنسکرت کے اس قدر الفاظ بھر دیئے کہ جسے خود ہندو بھی سمجھ نہیں پاتے۔اردو جو خلیج کی ریاستوں سے لیکر سنگاپور تک بولی اور سمجھی جاتی ہے مسلمانوں کی زبان سمجھ کر اس کو اسکی جنم بھومی سے دیس نکالا دینے کی کوشش کی گئی۔ مگر ان تمام کوششوں کے باوجود اس کے سمجھنے اور بولنے والوں کا حلقہ کم نہیں ہوا بلکہ بڑھا ہے۔ہمارا نو دولتیہ طبقہ جو آجکل ہندوستانی سیٹلائٹ چینلز پر ہر ہندوستانی کو روانی سے انگریزی بولتے دیکھ کر یک گونہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔یہ سمجھ نہیں پاتا کہ انگریزی ہندوستانیوں کی مجبوری ہے ان کی جنوبی اور مشرقی ریاستوں کو ہندی قبول نہیں۔ ہمارا مسئلہ ہندوستان سے مختلف ہے۔ ہمارے چاروں صوبوں کی علاقائی زبانیں گو مختلف ہیں مگر اس ملک کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں اردو بولی یا سمجھی نہ جاتی ہو۔صوبہ سرحد اور شمالی علاقہ جات کے انتہائی دور افتادہ دیہات میں بھی آپ کو اردو بولنے اور سمجھنے والے لوگ مل جائیں گے۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور خلیج کی دوسری ریاستوں میں اردو رابطے کی دوسری بڑی زبان کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔افغان جہاد کے بعد افغانستان کی تقریباً ایک تہائی آبادی اردو بول اور سمجھ لیتی ہے۔اردو ہندوستان کے علاوہ بنگلہ دیش، برما، سری لنکا، ملیشیا اور سنگاپور تک سمجھی اور بولی جاتی ہے اردو کی ترویج میں ہندوستان سے باہر ان ملکوں میں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ہندوستانی فلموں نے بھی ایک کردار ادا کیا ہے۔دانستہ یا نادانستہ اردو سمجھنے والوں کے حلقہ کو وسعت دینے میں ہندوستانی فلموں کے رول کو بہر حال نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔کم عمر ہونے کے باوجود اردو چینی اور انگریزی کے بعد دنیا کی تیسری بڑی زبان مانی جاتی ہے۔اس کا ادبی سرمایہ اپنے اندر ایسے ادب پارے رکھتا ہے جو دنیا کی کسی ترقی یافتہ زبان کے ادب کے مقابلے میں رکھے جاسکتے ہیں۔کم مائیگی کا احساس صرف سائنس اور دوسرے تکنیکی جدید علوم کے حوالے سے ہوتا ہے۔جس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔

۳۰۰

انگریزوں کے جانے کے بعد ہمارے حکمران طبقے نے اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے خود اردو کو پنپنے نہیں دیا ورنہ حیدر آباد دکن کی عثمانیہ یونیورسٹی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جہاں میڈیکل، انجینئرنگ اور دوسرے تمام سائنسی مضامین اردو میں پڑھائے جاتے تھے۔ ہمارے ہاں جو کچھ تھوڑی بہت پیش رفت ہوئی ہے وہ کافی نہیں اور اس میں حکومت کا حصہ بہر حال نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم قومی زبان کے حوالے سے خوش قسمت یوں ہیں کہ اردو کسی علاقے کی زبان نہیں مگر ملک کے ہر کونے میں پڑھی، لکھی اور سمجھی جاتی ہے۔ ذخیرہ الفاظ کے لحاظ سے اس میں علاقائی زبانوں کے بہت سے مشترک الفاظ موجود ہیں جس سے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے جہاں تک اردو کے دفتری زبان بننے کی صلاحیتوں کا تعلق ہے سوائے سندھ کے تمام صوبوں میں تحصیل اور نیچے کی سطح کا سارا کام اردو میں ہوتا ہے بلکہ پاکستان بننے سے پہلے بھی ہوتا تھا۔ تمام تھانے، پٹوار خانے، تحصیل اور نچلی سطح کی عدالتوں کا ریکارڈ پنجاب، سرحد اور بلوچستان میں اردو میں رکھا جاتا ہے۔ سوائے سندھ کے جہاں اس سطح پر سندھی زبان مستعمل ہے۔

ملک میں انگریزی میڈیم اور اردو میڈیم کی طبقاتی تقسیم کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حاکموں کی زبان انگریزی ہے اور اپنے بچوں کو حاکم دیکھنے کی خواہشمند ہر ماں اور باپ استطاعت نہ رکھنے کے باوجود تمام جائز اور ناجائز ذرائع استعمال میں لاتے ہوئے انگریزی سکولوں کا رخ کرتے ہیں۔ یہ صورتحال پاکستان بننے سے پہلے نہ تھی۔ غلامی میں ہماری قدریں زیادہ محترم تھیں۔ ہم بہتر مسلمان، بہتر شہری اور بہتر سرکاری اہلکار تھے، مگر آزادی نے ہمارے تمام رویئے بدل دیئے ہیں۔ ساری قدریں تبدیل کر کے رکھ دی ہیں جس کا خمیازہ ہم دنیا میں نقل میں نمبر 1 کرپشن میں چند سال پہلے نمبر 2 اور کسی اور اسی قبیل کی غلط روی میں تیسرے نمبر کا اعزاز حاصل کر کے بھگت رہے ہیں جو کسی خودار اور باعزت قوم کیلئے کسی طور باعث فخر نہیں۔ دُبئی دنیا کا وہ ملک ہے جہاں داخلے کے لئے پیشگی ویزا لے کر آنے کی ضرورت نہیں مگر ہم پاکستانیوں پر اس رعایت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس ساری بدنامی اور بے راہ روی کی اور بھی کئی وجوہات ہیں مگر بڑی وجہ بڑھتا ہوا معاشی فرق اور وہ محرومی ہے جس نے لاتعداد معاشرتی مسائل پیدا کر رکھے ہیں اور جس کی جڑیں ہمارے

تعلیمی نظام میں پیوست ہیں۔ حکومتی سطح پر ہم ہر بچے کو برابری کے تعلیمی مواقع مہیا نہ کر کے ایک بہت بڑی ناانصافی کے مرتکب ہو رہے ہیں جو اسلامی عدل اور احسان کی تعلیمات سے سراسر انحراف کے مترادف ہے۔ انگریزی سکولوں میں بچوں کو بھیجنے والے والدین میں سے کیا کسی نے کبھی یہ محسوس کیا ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں پر پانچ پانچ سات سات کلو کے وزنی بستے لاد کر ان سے زیادتی تو نہیں کر رہے، کیا انہوں نے کبھی سوچا ہے کہ وہ بچہ جو گھر میں سندھی، پشتو، بلوچی یا پنجابی بولتا ہے باہر اردو میں بات کرتا ہے۔ سکول کے پہلے دوسرے سال میں اسے انگریزی اور آدھ درجن دیگر مضامین پڑھا کر وہ اس کا استحصال تو نہیں کر رہے۔ اسکے چھوٹے سے ذہن پر اسقدر بوجھ ڈالنا ایسا ہے جیسے کسی نحیف و ناتواں جسم پر منوں بوجھ لاد دیا جائے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ پرائمری کی سطح تک تعلیم علاقائی یا قومی زبان میں ہو اور پڑھائے جانے والے مضامین کی تعداد دو تین سے زیادہ نہ ہو۔ پرائمری کے بعد ہائی سکول تک کی تعلیم قومی زبان میں ہو جس میں اختیاری مضمون بے شک انگریزی ہو تاکہ کالج کی سطح تک تعلیم حاصل کرنے کے، خواہشمند قابل اور ذہین طلباء آگے اپنے مضامین انگریزی میں پڑھ سکیں۔ آجکل سیکنڈری بورڈ کے امتحانات میں انگریزی کو لازمی مضمون قرار دے کر ہم ہر سال تقریباً ستر (۷۰) فیصد بچوں کو انگریزی میں فیل ہوتا دیکھتے ہیں جس سے نہ صرف نوجوانوں میں شدید محرومی کا احساس پیدا ہوتا ہے بلکہ ان کے والدین کے لئے بھی ذہنی اور مالی پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ کالج کی سطح تک ہر کسی کو بے مقصد تعلیم حاصل کرنے کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیئے اور یہ فیصلہ میٹرک کے بعد ہونا چاہیئے کہ کس کو کالج میں داخلہ دیا جائے اور کس کو زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھیج دیا جائے۔ اس سے کم از کم یہ تو ہوگا کہ وہ لاکھوں بے روزگار جو ڈگریاں ہاتھوں میں لئے ملازمتوں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں بروقت برسر روزگار ہو سکیں گے۔ کسی مضمون میں کالج کی سطح تک تعلیم حاصل کرنے کیلئے امیدوار کو داخلے اور رجحان طبع کے امتحان سے گزر کر جانا چاہیئے تاکہ صرف مستحق اور بلند تر ذہنی سطح کے طلباء داخلہ حاصل کر سکیں جو آگے چل کر زندگی کے مختلف شعبوں میں ملک کے کام آسکیں۔

ہمارے ہاں بعض ایسے ادارے ہیں جہاں انگریزی کو آج بھی بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے

ایک خط کا ڈرافٹ کئی بار انگریزی کی درستی کے مرحلے سے گذر کر اتنی ہی بار ٹائپ ہوتا ہے اور پھر بھی ڈر رہتا ہے کہ کوئی غلطی نہ رہ گئی ہو۔ اگر سوچیں تو کیا یہ توانائیوں کا زیاں نہیں ہے۔ ہمیں اپنی بات اپنے ہم وطن تک پہنچانے کیلئے زبان غیر کا سہارا لینے کا کیا جواز ہے۔

اپنی تربیت کے ابتدائی ایام میں ہمارے ہاں انگریزوں کی طرح انگریزی بولنے پر بڑا زور تھا جس سے ہمارے ایک استاد بہت چڑتے تھے وہ آکسفورڈ اور تہران سے انگریزی اور فارسی ادبیات میں پی ایچ ڈی تھے ان کا کہنا تھا کہ اگر کوئی پاکستانی انگریزوں کی طرح انگریزی لکھ یا بول نہیں سکتا تو کسی قسم کے کسی احساس میں مبتلا ہوئے بغیر اس کو معاف کر دیا جائے کہ وہ برطانیہ میں نہیں پاکستان میں پیدا ہوا ہے، مگر اس انگریز زدگی کا کیا کیا جائے جو آزادی کے بعد اس شدت سے ہمیں اپنی گرفت میں لے چکی ہے کہ ہم اپنی ترجیحات کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھنے کی صلاحیت سے عاری ہوتے جا رہے ہیں اور تواتر سے جاری ہونے والی حکومتی تعلیمی پالیسیاں آج تک تعلیمی مسائل کے برفانی تودے کا ایک چھوٹا سا کونہ تک نہیں توڑ سکیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ
کی نادر روزگار اور معرکہ آرا کتاب
مثنوی مولوی معنوی
کی جامع اور لاجواب [illegible] شرح
کلیدِ مثنوی
حضرت حکیم الامت تاج المفسرین مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی
کامل ۲۴ جلدیں
یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعار مثنوی کو واضح کرکے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔
ملنے کا پتہ
ادارہ تالیفات اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان ○ پاکستان
فون ۵۴۰۵۱۳